# سُنّتِ رسولؐ

## (شیخ مصطفیٰ السباعی)

**وضع حدیث کے اسباب** | گزشتہ مباحث میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ سیاسی اختلافات ہی وہ اصل وجوہ تھے جن کی وجہ سے لوگوں نے حدیثیں گھڑنا شروع کیں۔ آج ہم وضع حدیث کے دوسرے اسباب کا تذکرہ کرتے ہیں۔

**۲۔ زندقہ** | زندقہ سے ہماری مراد یہ ہے کہ اسلام کو بحیثیت ایک دین اور حکومت کے پسند نہ کیا جائے۔ اسلامی نظامِ حکومت نے برسرِ اقتدار آتے ہی ان تمام بادشاہیوں اور سرداریوں کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا، جو عوام کے عقائد سے کھیلتی اور ان کی عزتِ نفس اور شرافت کو پامال کر رہی تھیں، جنہوں نے ان کو اپنی ہوس رانیوں اور ذلیل ترین مقاصد کا آلۂ کار بنا رکھا تھا اور جو آئے دن ان بیچاروں کو اپنی ہوسِ ملک گیری و کشور کشائی سے مغلوب ہو کر جنگ کی آگ میں جھونک دیا کرتی تھیں۔ لوگوں نے دیکھا کہ اسلام فرد کی خود داری، عقیدے کے احترام اور حریتِ فکر و نظر کا ضامن ہے اور تمام اوہام و خرافات کو مٹاتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ فوج در فوج اس دین کے حلقہ بگوش ہونے لگے۔

چونکہ اسلام کی سیاسی اور فوجی طاقت اس وقت غالب تھی اس لیے اُمراء اور ملکی سربراہ کار اور مذہبی پیشوا اپنے کھوئے ہوئے اقتدار اور اپنی منہدم اور پامال شدہ شوکت پر دوبارہ قبضہ کرنے سے بالکل مایوس ہو گئے۔ اِن شکست خوردہ لوگوں کے سامنے اسلام سے انتقام لینے کی اس کے علاوہ اور کوئی راہ نہ تھی کہ اس کے عقائد میں باطل کی آمیزش کر دی جائے، یا اس کے محاسن کی صورت مسخ کر ڈالیں، یا اس کے پیروؤں کی صفوں میں انتشار پیدا کر دیں۔ فتنہ سازی کی اس مہم کو کامیاب بنانے کے لیے وسیع ترین میدان اُن کے سامنے سنت کا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اس میدان میں بے لگام ہو کر جولانی کی، کبھی تشیع کا لبادہ اوڑھ کر، کبھی زہد و تصوف کا ڈھونگ رچا کر، اور کبھی فلسفہ

حکمت کی آڑ لیکر۔ ان تمام نمود کاریوں سے ان کا مقصود صرف یہ تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قصر تعمیر کیا ہے اُس میں رخنے ڈال دیں، لیکن خدا نے تو یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ یہ قصرِ مشید ابد الآباد تک سلامت اور قائم رہے گا، حوادثِ زمانہ اس کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے، اور جو لوگ اس کی بنیاد پر ضرب لگانا چاہیں گے ان کے تیشے اُچٹ کر خود انہیں کے سینوں پر جا لگیں گے۔

اس دین کو بگاڑنے اور اس کو اپنے زمانے کے صاحبانِ علم و فکر کی نگاہوں میں سبک اور ملحدین کی نگاہوں میں مضحکہ خیز اور عامیانہ مذہب ثابت کرنے کے لیے ان لوگوں نے جو حدیثیں وضع کیں، ان کے کچھ نمونے درج ذیل ہیں:۔

"ینزل ربنا عشیة عرفة علی جمل أزرق، یصافح الرکبان و یعانق المشاة" ہمارا رب یوم عرفہ کو ایک زرد اونٹ پر سوار ہو کر نزول فرماتا ہے، سواروں سے مصافحہ کرتا اور پیدل چلنے والوں سے معانقہ کرتا ہے"۔

"خلق اللہ الملائکة من شعر ذراعیه و صدرہ" اللہ تعالیٰ نے اپنے دونوں بازوؤں اور سینے کے بالوں سے ملائکہ کو پیدا کیا"۔

"رأیت ربی لیس بینی و بینه حجاب، فرأیت کل شیئ منه حتیٰ رأیت تاجاً مخوصاً من اللؤلؤ" میں نے اپنے رب کو دیکھا ہے میرے اور اس کے درمیان کوئی پردہ نہ تھا اس کی ہر شئے دیکھی ہے، حتیٰ کہ اس کا مرصع تاج بھی دیکھا ہے"۔

"ان اللہ اشتکت عیناہ فعادته الملائکة" اللہ تعالیٰ کی آنکھوں میں کچھ تکلیف ہو گئی، تو ملائکہ نے اس کی عیادت کی"۔

"ان اللہ لما اراد ان یخلق نفسه خلق الخیل واجراھا، فعرقت، فخلق نفسه منها" اللہ نے جب اپنے آپ کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا، تو گھوڑے کو پیدا کیا اور اسے دوڑایا، وہ پسینے پسینے ہو گیا۔ پھر اللہ نے اپنے آپ کو اس سے پیدا کیا"۔

"ان اللہ لما خلق الحروف سجدت الباء و وقفت الالف" اللہ نے جب

حروف کو پیدا کیا تو با سجدہ میں گر گیا اور الف نے توقف کیا۔

"النظر الی الوجہ الجمیل عبادۃ" خوبصورت چہرے کو دیکھنا عبادت ہے۔"

"الباذنجان شفاء من کل داء" بینگن ہر مرض کی دوا ہے۔

اس طرح زنادقہ نے عقائد، اخلاق، طب اور حلال وحرام کے عنوان کی ہزاروں حدیثیں وضع کیں۔ ایک زندیق نے تو خلیفہ مہدی کے سامنے اس بات کا اعتراف کیا کہ اس نے سو حدیثیں وضع کر کے لوگوں میں رائج کر دیں، عبدالکریم بن ابی العوجاء کو جب قتل کیا جانے لگا تو اس نے اقرار کیا کہ میں نے چار ہزار حدیثیں وضع کی ہیں جن میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرتا رہا ہوں۔ بعض خلفاء بنی عباس نے زنادقہ کی اس تحریک کے دور رس خطرے کو بھانپ لیا اور ان کی جستجو اور تفتیش کر کے ان میں سے بعض کو قتل کیا اور بعض کو پھانسی کی سزائیں دیں۔ ان لوگوں میں سب سے مشہور خلیفہ جس نے ان کی تادیب کے لیے تلوار استعمال کی وہ مہدی تھا۔ اس نے ایک مستقل محکمہ قائم کیا، جو ان کے اڈوں اور سرغنوں کا کھوج لگاتا اور ان کے حالات کی تفتیش کرتا تھا۔ اس محکمے نے جن مشہور زنادقہ کا پتہ لگایا، ان کے نام یہ ہیں:- عبدالکریم بن ابی العوجاء، اس کو محمد بن سلیمان والی بصرہ نے قتل کیا۔ بیان بن سمعان المہدی، اس کو خالد بن عبداللہ قسری نے قتل کیا، محمد بن سعید المصلوب، اس کو ابو جعفر منصور نے قتل کیا۔

۳- عصبیت | زبان، رنگ، خاندان اور ملک کی عصبیت یا کسی شخص کے ساتھ گہری عقیدت بھی وضع حدیث کی محرک ثابت ہوئی۔ مثلاً: نسلیت کے عجمی علمبرداروں نے یہ حدیث وضع کی:- ان اللہ اذا غضب انزل الوحی بالعربیۃ واذا رضی انزل بالفارسیۃ "خدا جب ناراض ہوتا ہے تو عربی میں وحی نازل کرتا ہے اور جب خوش ہوتا ہے تو فارسی میں"، اس کے جواب میں عرب نے کہا: حدیث تو یوں ہے: ان اللہ اذا غضب انزل الوحی بالفارسیۃ واذا رضی انزل الوحی بالعربیۃ "خدا جب ناراض ہوتا ہے تو وحی فارسی میں نازل کرتا ہے اور جب خوش ہوتا ہے تو عربی میں"۔

امام ابو حنیفہ کے عقیدت مندوں نے ان کی فضیلت میں یہ حدیث گھڑی: "سیکون فی امتی رجل یقال لہ ابو حنیفۃ النعمان، ھو سراج امتی۔ میری امت میں ایک ایسا شخص ہوگا جس کو

ابوحنیفہ نعمان موسوم کیا جائے گا، وہ میری امّت کا چراغ ہوگا۔" امام شافعیؒ کے مخالفین نے ان کی تنقیص میں یہ حدیث وضع کی: "سیکون فی امتی رجل یقال لہ محمد بن ادریس، ھو اضر علیٰ امتی من ابلیس۔ میری امت میں ایک شخص ہوگا جو محمد بن ادریس کے نام سے موسوم ہوگا، وہ میری امّت کے لیے ابلیس سے بھی زیادہ ضرر رساں ہوگا۔

اس طرح کی بے شمار حدیثیں ملکوں، خاندانوں، اور بلاد و امصار کی فضیلت میں وضع کی گئیں، مگر علماء نے ان کی نشاندہی کرکے صحیح کو غلط سے ممیّز کر دیا۔

**۴: قصّے اور وعظ** پند و وعظ کا منصب ایسے لوگوں نے سنبھال لیا جن کے دل خدا کے خوف و تقویٰ اور خشیت سے خالی تھے، انہیں صرف یہ فکر ہوتی تھی کہ اپنے ہم نشینوں اور وعظ سننے والوں پر اپنی سحر بیانی سے رقت طاری کر دیں، یا کم از کم انہیں وجد میں لے آئیں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے یہ قصہ گو طرح طرح کی جھوٹی اور بے بنیاد باتیں تصنیف کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیتے تھے[1]۔ ابن قتیبہ نے وضع احادیث کے اسباب پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

> "وضع حدیث کا دوسرا سبب افسانہ طرازی ہے۔ یہ افسانہ طراز عوام کی توجہات کا مرجع بننے کے لیے سراسر جھوٹی اور لغو حدیثیں تصنیف کرتے ہیں اور عوام کی نفسیات کا یہ عالم ہے کہ وہ ایسے قصہ گو کو زیادہ پسند کرتے ہیں جس کی باتیں اعجوبیت کے چٹخارے سے لبریز اور عقل و فہم سے بعید تر ہوں، یا جو قلب پر رقت طاری کر دیں۔ قصہ گو جنت کی تعریف و توصیف کرنے پر آئے گا تو کہے گا: اس میں آہو چشم، مشک بو، زعفران گوں حوریں ہونگی، جن کی سرین ایک مربع میل کشادہ ہوگی۔ جنت میں اللہ تعالیٰ اپنے مقرب بندے کو لوءِ لوءِ ابیض کا محل عطا فرمائے گا، اس محل میں ستر ہزار حجرے ہونگے، ہر حجرے میں ستر ہزار قبّے ہونگے اور وہ مقرب بندہ ان ستر ہزار حجروں قبّوں میں لازوال زندگی بسر کرے گا۔"

[1] اسی وجہ سے محدثین اور فقہاء واعظوں کو قصّاص کہتے تھے اور ان کی بیان کردہ روایات مطلقاً درخورِ اعتنا نہیں ہوتی تھیں۔

اسی طرح کی ایک مثال یہ حدیث بھی ہے کہ جس نے لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کیا اس کے ہر کلمے کے عوض اللہ تعالیٰ ایک پرندہ پیدا کرے گا جس کی چونچ سنہری اور پر زمردین ہونگے۔

آپ حیران ہونگے یہ دیکھ کر کہ یہ لوگ جھوٹ بولنے میں کتنے جری اور شرم و حیا کے احساس سے کتنے عاری ہو گئے تھے۔ ایک واقعہ ملاحظہ ہو: احمد بن حنبل اور یحیٰی بن معین نے مسجد الرصافہ میں نماز ادا کی، نماز کے بعد ایک قصّاص واعظ سر منبر آیا اور کہنے لگا: "میں نے احمد بن حنبل اور یحیٰی بن معین سے اور ان دونوں نے عبدالرزاق سے اور انہوں نے قتادہ سے اور قتادہ نے انس سے اور انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے . . . ." اس کے بعد واعظ نے حدیث کے الفاظ سنانے شروع کیے اور بیس صفحات پڑھ کر سنا ڈالے۔ امام احمد حیران و ششدر یحیٰی کو دیکھنے لگے اور یحیٰی امام احمد کو۔ دونوں نے ایک دوسرے سے پوچھا کیا تم نے یہ حدیث بیان کی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ واللہ یہ شاہکار میں پہلی مرتبہ سن رہا ہوں۔ جب وعظ ختم ہوا تو یحیٰی نے واعظ کو اپنے پاس بلایا۔ وہ یہ سمجھا کہ میرے وعظ سے یہ صاحب متاثر ہوئے ہیں، میری مدارات کریں گے۔ یحیٰی نے پوچھا "تم سے یہ حدیث کس نے بیان کی ہے؟" اُس نے بے دھڑک جواب دیا کہ "احمد بن حنبل اور یحیٰی بن معین نے" یحیٰی نے کہا "میں یحیٰی ہوں اور یہ احمد ہیں، ہم نے تو یہ حدیث کبھی سنی ہی نہیں ہے اور اگر یہ حدیث ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ نہ ہو تو اس کے راوی ہمارے علاوہ دوسرے لوگ ہونگے۔" قصّاص کی ڈھٹائی دیکھیے ذرا نہیں جھجکا اور برجستہ بولا: "میں اب تک یہ سنتا آیا تھا کہ یحیٰی بن معین بڑے احمق ہیں مگر آج یہ بات ثابت ہو گئی۔" یحیٰی نے پوچھا: "کیونکر؟" کہنے لگا: "کیا تمہارے اور احمد بن حنبل کے علاوہ دنیا میں اور کسی کا نام یحیٰی بن معین اور احمد بن حنبل نہیں ہے؟ میں نے یحیٰی بن معین اور احمد بن حنبل نام کے سترہ اصحاب سے حدیثیں نقل کی ہیں۔"

۵۔ فقہی اور کلامی اختلافات | مختلف فقہی اور کلامی مذاہب کے جاہل و نادان پیروؤں نے بھی اپنے اپنے مذہب کی تائید و حمایت میں حدیثیں وضع کیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:-

٭ من رفع یدیہ فی الصلاۃ فلا صلاۃ لہٗ۔ جس نے نماز میں رفع یدین کیا اس کی نماز نہیں

ہو گی:" المضمضۃ والاستنشاق للجنب ثلاثًا فریضۃ "جنبی پر فرض ہے کہ تین بار کلی کرے اور نتھنوں میں پانی دے"۔ من قال القرآن مخلوق فقد کفر "جس نے کہا قرآن مخلوق ہے، بیشک وہ کافر ہو گیا"۔ کل من فی السمٰوات والارض وما بینھما فھو مخلوق غیر اللہ والقرآن۔ "وہ ساری چیزیں جو آسمانوں میں اور زمین میں اور ان دونوں کے درمیان ہیں، مخلوق ہیں بجز اللہ کے اور قرآن کے"۔ سیجئ اقوام من امتی یقولون القرآن مخلوق فمن قال ذالک فقد کفر باللہ العظیم وطلقت امرءتہ من ساعتھا: "قریب ہے میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو کہیں گے کہ قرآن مخلوق ہے، اور جس نے یہ بات کہی بے شک وہ اللہ بزرگ و برتر کے ساتھ کفر کا مرتکب ہوا۔ اور جب اس کی زبان سے یہ بات نکلی اسی کی بیوی پر اسی آن طلاق واقع ہو گئی"۔

۶۔ دین سے جہالت اور خیر خواہی کا جذبہ: زاہدوں، "عبادت گزاروں" اور نیک نہاد لوگوں نے دینداری کے خالص جذبے سے ترغیب و ترہیب کی حدیثیں وضع کیں۔ یہ لوگ اپنی سادہ لوحی سے اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ اس طرح وہ لوگوں کو عبادت گزاری و اطاعت شعاری کا درس دے کر دین کی خدمت اور تقرّب الی اللہ کی سعی کر رہے ہیں۔ علماء نے جب ان کو اس بے راہ روی سے ٹوکا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تہدید یاد دلائی کہ مَنْ کذبَ علیَّ متعمدًا فَلْیَتَبَوَّأ مقعدَہٗ من النار "جس نے جان بوجھ کر جھوٹی بات مجھ سے منسوب کی اسے اپنا ٹھکانا آگ میں بنا لینا چاہیے"۔ تو ان سادہ لوحوں نے جواب دیا کہ "حاشا ہم آنحضورؐ پر جھوٹ نہیں گھڑتے ہیں بلکہ ہم تو آپ کے دین کی توقیر و عظمت کے لیے سخن سازی کرتے ہیں"۔ لیکن دین اس سے مستغنی ہے۔ اور اس قسم کی باتیں دین سے جہالت اور غفلت کا نتیجہ ہیں۔ فضائل قرآن اور قرآن کی آیتوں اور سورتوں کے فضائل میں جو حدیثیں مروی ہیں، اُن کا بڑا حصہ اسی نوع کی موضوعات پر مشتمل ہے۔ نوح بن ابراہیم نے اعتراف کیا ہے کہ اُس نے فضائل قرآن کی حدیثیں اس لیے وضع کیں کہ لوگ قرآن کو چھوڑ کر ابو حنیفہ کی فقہ اور ابن اسحاق کے مغازی میں منہمک ہو گئے تھے۔ ان واضعین میں غلام خلیل بھی شامل ہے، حالانکہ وہ زاہد و متقی اور صوفی منش آدمی تھا اور عبادت کے علاوہ اس کو کسی چیز سے سروکار نہ تھا اور اسی وجہ سے عوام میں

اس کو اتنی ہر دلعزیزی و محبوبیت حاصل تھی کہ اس کی موت کے دن اس کے سوگ میں بغداد کے تمام بازار بند کر دیے گئے، لیکن شیطان ایک ایسے دیندار آدمی کو بھی ورغلانے میں کامیاب ہو گیا، چنانچہ اُس نے اوراد و وظائف کے فضائل میں بے شمار احادیث وضع کیں، اس سے ایک بار کہا گیا کہ آپ جو احادیث بیان فرماتے ہیں، اُن سے بڑی رقت طاری ہوتی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ہم نے یہ حدیثیں لوگوں پر رقت طاری کرنے ہی کے لیے تو وضع کی ہیں۔

۷۔ بادشاہوں کا تملق اور چاپلوسی | تملق اور چاپلوسی کی غرض سے بھی حدیثیں وضع کی گئیں۔ اس کی مثال غیاث بن ابراہیم کا یہ واقعہ ہے کہ جب وہ مہدی کے پاس آیا تو اسے کبوتر بازی کرتے دیکھ کر اس نے یہ مشہور حدیث سنائی "لاسبق الا فی نصل او حافر" نیزہ بازی اور شہسواری کے علاوہ کسی طرح کی کوئی بازی جائز نہیں ہے"۔ یہاں تک تو حدیث کے الفاظ تھے، مگر مدعا چاپلوسی تھا، او حافر کے آگے "او جناح" (پرندہ بازی) کا لفظ بڑھا دیا۔ مہدی نے اس کو اس تملق پر دس ہزار درہم عطا کر دیئے ــــــ یہ خلافت سے پہلے کا ذکر ہے۔ پھر جب مہدی خلیفہ ہوا اور غیاث مذکور خلافت کے سلام کو حاضر ہوا تو مہدی نے کہا: "تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان باندھا تھا" اور اسی وقت کبوتری کو ذبح کرا دیا۔

وضع حدیث کے اور بھی بہت سے اسباب ہیں: مثلاً کسی خاص گروہ سے انتقام لینے کا جذبہ، یا کسی خاص قسم کے کھانے، خوشبو اور کپڑے کو رواج دینے کا داعیہ۔ علماء نے ان اسباب پر تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے اور مثالیں دیکر مباحث کا حق ادا کر دیا ہے۔

اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے ایک بات کا اظہار نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ پہلے بھی میرے ذہن میں بار بار آتی رہی تھی، مگر اس فصل کے لکھتے وقت وہ پوری طرح کھل کر سامنے آگئی وہ یہ کہ خلفاء اور امراء نے واضعین حدیث کے معاملے میں اس قدر اغماض برتا کہ اس کی وجہ سے دین کو بہت نقصان پہنچا۔ اگر یہ لوگ حزم و احتیاط کا موقف اختیار کرتے اور اس فتنے کے سرغنوں کا قلع قمع کر دیتے، جیسا کہ ایسے حالات میں حکم الٰہی کے مطابق ان کو کرنا چاہیے تھا، تو آج یہ انتشار اور افراتفری

نظر نہ آتی۔ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ مہدی نے غیاث کے وضع و کذب کو جانتے ہوئے اسے دس ہزار درہم انعام دیئے . . . . . . اور روایت کرنے والے نے جو یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ چونکہ کبوتری جھوٹ کا سبب بنی تھی، اس لیے اس کو ذبح کرا دیا۔ اسے سُن کر حیرت ہوتی ہے کہ چاہیے تو یہ تھا کہ مہدی اس فاجر کذاب کی تادیب کرتا اور کبوتری کو زندہ رہنے دیتا، مگر کیا یہ کہ کبوتری کو ذبح کرا دیا اور جو موت کا مستحق تھا اُسے زندہ چھوڑ دیا۔ اور ستم بالائے ستم یہ کہ مسلمانوں کے بیت المال کے روپیہ کا اس طرح اسراف کیا . . . . . مہدی نے ایک دوسرے کذاب مقاتل بن سلیمان بلخی کے ساتھ بھی اسی طرح کا تساہل برتا، اس نے ایک مرتبہ مہدی سے کہا تھا کہ اگر آپ فرمائیں تو میں عباس اور بنو عباس کے فضائل میں حدیثیں وضع کر دوں، مگر مہدی نے صرف اتنا کہنے پر اکتفا کیا کہ "مجھے اس کی ضرورت نہیں" اور اس کی تادیب نہیں کی۔ ہارون رشید کے سامنے ابوالبختری نے یہ حدیث بیان کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبوتر اڑایا کرتے تھے، رشید جانتا تھا کہ یہ سراسر جھوٹ ہے مگر اس سے صرف اتنا کہا کہ "میرے پاس سے دُور ہو جا۔ اگر تو خاندانِ قریش کا علاقہ مند نہ ہوتا تو میں تجھ کو اسی وقت تیرے عہدے سے معزول کر دیتا" یہ کذاب اس وقت ہارون رشید کا قاضی تھا۔

ان امراء اور سلاطین کا یہ ایسا تساہل ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر ان کا سخت محاسبہ کرے گا، یہ لوگ زنادقہ اور باغیوں کے پیچھے تو ہاتھ دھو کر پڑ جاتے تھے، اور انہیں بے دریغ قتل کرتے، غرق کرتے اور پھانسی کی سزائیں دیتے تھے، تاکہ ان کے اقتدار کو کوئی صدمہ نہ پہنچے۔ مگر واضعینِ حدیث اور جھوٹے راویوں کے خلاف اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں کیا۔ اس لیے کہ یہ لوگ ان کی خواہشات کے مطابق جھوٹ بول کر ان کو خوش کیا کرتے تھے۔ قصّاص واعظوں نے امراء اور خلفاء کے زیرِ سایہ مسجدوں کو جھوٹ اور کذب کا اڈا بنا لیا تھا، صوفیاء اور گوشہ نشین زاہد کھلے بندوں احادیث وضع کرتے تھے اور اُن پر کوئی قدغن اور پابندی نہیں تھی۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے دین کی نگرانی اور حفاظت کے لیے ہر زمانے اور ہر خطے میں بلند نگاہ اور نیک سیرت علماء پیدا نہ کرتا رہتا، جو شریعت کو تحریف اور سنتِ نبوی کو ہر طرح کی تبدیلی اور تغیّر و آمیزش سے پاک کرتے رہتے تو آج یہ فتنہ

عام اور ہمہ گیر ہو چکا ہوتا، اور دین کے نشانات یا تو ماند پڑ جاتے، یا پھر بالکل ہی مٹ جاتے اور اس وقت ان کا پتہ لگانا ناممکن ہوتا۔

**وضعِ حدیث کے فتنہ کو دبانے کے لیے علماء کی کوششیں** صحابہ کے آخری زمانے سے لے کر تدوینِ حدیث کے آخری زمانے تک علماء نے وضع حدیث اور واضعین کے خلاف جو کام کیا اور صحیح احادیث کو غلط سے ممیز کرنے کے لیے جو کاوشیں اور جانفشانیاں کیں، ان کا اگر کوئی شخص بغور مطالعہ کرے تو حتمی طور پر اس نتیجے پر پہنچیگا کہ انہوں نے جو جدوجہد کی اس سے زیادہ کا تصور نہیں کیا جا سکتا، اور نقد و تمحیص کا جو طریقہ انہوں نے اختیار کیا وہی موزوں ترین طریقہ تھا، یہاں تک ہم پورے وثوق کے ساتھ یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے یہ علماء تاریخی واقعات اور روایتوں کی جانچ پرکھ اور اصولِ نقد کے اولین بانی ہیں، اور یہ ان کا ایسا کارنامہ ہے جس پر ان کی نسلیں بالکل بجا فخر کر سکتی ہیں۔ ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم۔

اب ہم ان کی کوششوں کو جو انہوں نے سنت کو ہر طرح کے مکر و کید اور گندگی سے پاک کرنے کے لیے کیں، بالاجمال بیان کرتے ہیں:-

**۱۔ حدیث کی اسناد** پہلے گزر چکا ہے کہ صحابہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی ایک دوسرے پر اعتماد کرتے تھے اور تابعین کو بھی کسی ایسی حدیث کے قبول کرنے سے کوئی توقف نہ ہوتا، جو کسی صحابی نے آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حوالے سے بیان کی ہو۔ یہ صورتِ حال اس خلفشار کے زمانے تک باقی رہی جس کا بانی مبانی عبداللہ بن سبا تھا جس نے حُبِّ آلِ رسولؐ کا نعرہ بلند کیا اور حضرت علیؓ کو الوہیت کے مقام پر لا کھڑا کیا۔ اس وقت سے آمیزش کا یہ سلسلہ روز بروز بڑھتا رہا۔ اس صورتِ حال کو دیکھ کر صحابہ اور تابعین میں سے طبقۂ علماء سے تعلق رکھنے والے اصحاب نقلِ احادیث میں احتیاط برتنے لگے، اور ان حدیثوں کو قبول کرنے سے اجتناب کرنے لگے جن کا سلسلۂ اسناد و روایت مشتبہ یا نامعلوم ہو۔ امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں ابن سیرینؒ کا یہ قول نقل کیا ہے: "لوگ اسناد کے متعلق سوال نہیں کرتے تھے لیکن جب شورش اور فتنہ کا زمانہ

آگیا تو روایتِ حدیث کے وقت راویوں کے نام کا بھی مطالبہ کیا جانے لگا۔ اگر یہ معلوم ہوتا کہ روایت کرنے والے اہلِ سنّت ہیں تو حدیث قبول کرلی جاتی۔ اور اگر یہ معلوم ہوتا کہ راوی اہلِ بدعت ہیں تو رد کردی جاتی۔ یہ احتیاط متأخرین صحابہ کے (جن کے زمانے میں فتنہ شروع ہوا) زمانہ سے شروع ہوئی۔ امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں مجاہد سے روایت کی ہے کہ بشیر عدوی ابن عباس کے پاس آیا اور حدیث بیان کی۔ ابن عباس نے اس کی بات پر کان نہیں دھرا بلکہ اس کی جانب سے نظریں پھیر لیں۔ اس نے کہا "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کر رہا ہوں اور آپ اس کو سننے سے گریز کیوں فرما رہے ہیں؟" ابن عباس نے جواب دیا کہ جب ہم کسی کی زبانی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث سنتے تو ہمہ تن گوش ہوجاتے، لیکن جب ہر رطب ویابس کو حدیث بناکر پیش کیا جانے لگا تو ہم نے بھی احتیاط برتنی شروع کردی، اور جب تک حدیث کی تحقیق نہ ہوجائے، اس کو قبول کرنے سے بچنے لگے"۔ تابعین نے بھی جھوٹی روایتوں سے بچنے کے لیے اسناد ہی کو صحتِ حدیث کا معیار قرار دیا۔ ابو العالیہ کہتے ہیں "جب ہم صحابہ کے حوالے سے حدیثیں سنتے تھے تو ہمارا دل مطمئن نہ ہوتا، تاوقتیکہ ان کی خدمت میں حاضر ہوکر براہِ راست خود نہ سن لیں"۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ اسناد دین کی بنیاد ہے اور اگر اسناد کا اصول اڑا دیا جائے تو جس کا جو جی چاہے بکتا پھرے"۔ ابنِ مبارک کا قول ہے کہ "ہمارے اور صحابہ کے درمیان سلسلے ہیں، یعنی اسناد۔

۳۔ راویوں پر نقد و جرح اور ان کے حالات | یہ باب نہایت وسیع ہے اور اسی کی مدد سے علماء نے صحیح احادیث کو غلط سے اور قوی کو ضعیف سے چھانٹ کر علیحدہ کیا، اور اس سلسلے میں بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ انہوں نے راویوں کے حالات کا تتبع کیا، ان کی زندگی، تاریخ، سیرت اور ان کے ظاہری اور باطنی حالات کا مطالعہ کیا اور اس تحقیق و جستجو میں نہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا کی، اور نہ کسی کے ورع و تقویٰ اور نیک نامی نے ان کو جرح و تعدیل سے روکا۔ یحییٰ بن سعید سے پوچھا گیا کہ: کیا آپ کو اس بات کا اندیشہ نہیں کہ جن لوگوں کی حدیثیں آپ رد کر دیتے ہیں وہ قیامت کے دن خدا کے سامنے آپ کے خلاف دعویدار بن کر کھڑے ہوں؟ انہوں نے جواب دیا کہ "میں اس بات

کو ترجیح دیتا ہوں کہ لوگ میرے خلاف دعویدار ہوں بہ نسبت اس کے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے خلاف مدعی ہوں اور مطالبہ فرمائیں کہ تو نے میری حدیثوں کی مدافعت کیوں نہیں کی؟" اسی لیے ان محدثین نے ایسے قواعد وضوابط وضع کیے جن کے مطابق حدیثیں قبول اور رد کرتے تھے اور ان اصول کے مطابق حسبِ ذیل طبقوں کی روایت کو قطعاً ناقابلِ اعتناء قرار دیا:۔

**۱۔ آنحضور صلعم پر بہتان باندھنے والے**

اہلِ علم کا اس امر پر اجماع ہے کہ جو شخص آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان باندھے، اس کی بیان کردہ حدیث قبول نہیں کی جائے گی۔ اسی طرح ان کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ فعل گناہ کبیرہ ہے، البتہ اس کے کفر کے بارے میں اختلاف ہے، بعض کی رائے یہ ہے کہ اس فعل کا مرتکب کافر ہے اور بعض کی رائے ہے کہ ایسا شخص واجب القتل ہے۔ اس کی توبہ کے بارے میں بھی اختلاف ہے کہ قبول کی جائے گی یا نہیں، امام احمد اور بخاری کے استاد ابوبکر حمیدی کی رائے ہے کہ ایسے شخص کی توبہ کبھی قبول نہیں کی جائے گی۔ نووی کی رائے ہے کہ اس کی توبہ صحیح متصور ہوگی اور اس کی روایت بھی اس کی شہادت کی طرح قبول کی جائے گی، اور اس کا حال اس کافر کی مانند ہوگا جو کفر کے بعد ایمان لایا ہو۔ سمعانی کی رائے یہ ہے کہ جس شخص کا جھوٹ ایک حدیث میں پکڑ لیا جائے، اس کی بیان کردہ تمام روایات، جو وہ اس گرفت سے پہلے بیان کر چکا ہے، ساقط الاعتبار سمجھی جائیں گی۔

**۲۔ وہ لوگ جو اپنی عام گفتگوؤں میں جھوٹ بولتے ہوں، اگرچہ ان کے خلاف آنحضور پر بہتان باندھنے کا ثبوت نہ ہو۔**

محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ جس شخص کے متعلق ایک مرتبہ جھوٹ کے ارتکاب کا علم ہو جائے، اس کی حدیث رد کر دی جائے گی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "علم (حدیث) چار اشخاص سے نہیں حاصل کرنا چاہیے، اس شخص سے جو اپنی سفاہت میں مشہور ہو، اگرچہ وہ سب سے زیادہ روایت کرنے والا ہی کیوں نہ ہو، دوسرے اس شخص سے جو لوگوں سے عام گفتگو میں جھوٹ بولے، اگرچہ میں اس پر یہ اتہام نہیں لگاتا کہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی بہتان باندھے گا۔ تیسرے اس شخص سے جو ہوا پرست ہو اور لوگوں کو اپنی ہوا پرستی کی طرف دعوت بھی دیتا ہو۔ چوتھے اس شخص سے جو اتنا عمر رسیدہ ہو چکا ہو کہ اس کے شعور و تمیز میں کمی آگئی ہو، اگرچہ وہ صاحب فضل اور عبادت گزار

ہی کیوں نہ ہو۔

اگر کوئی شخص اپنے جھوٹ سے توبہ کرے اور اس کے بعد اس کی عدالت اور صداقت عملاً ظاہر ہو جائے تو جمہور کا مسلک یہ ہے کہ اس کی توبہ اور روایت دونوں قبول کر لی جائیں گی۔ لیکن ابو بکر صیرفی نے جمہور کے اس مسلک پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جس راوی کو ہم اس کے جھوٹ کی بنا پر ایک بار ساقط الاعتبار قرار دے دیں، اس کی توبہ کے بعد بھی ہم اس کو ساقط الاعتبار ہی سمجھیں گے۔

۳: اہلِ بدعت اور ہوا پرست | اسی طرح علماء کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ کسی صاحبِ بدعت کی حدیث قبول نہیں کی جائے گی۔ جب وہ اپنی بدعت کو بنیاد بنا کر لوگوں کی تکفیر کرے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص جھوٹ کی اباحیت کا قائل ہو تو اس کی حدیث بھی رد کر دی جائے گی، اگرچہ وہ اپنی بدعت کی بنا پر لوگوں کو کافر نہ قرار دیتا ہو۔ لیکن اگر وہ جھوٹ کی اباحیت کا قائل نہ ہو اور اپنی بدعت کے مفروضے پر کسی کی تکفیر بھی نہ کرتا ہو تو ایسے شخص کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا اس کی حدیث قبول کی جائیگی یا نہیں؛ یا یہ کہ اس کے امامِ مذہب ہونے اور نہ ہونے کا لحاظ کیا جائے گا یا نہیں۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ قدیم و جدید دونوں زمانوں میں موضوعِ بحث رہا ہے۔ اکثریت کا رجحان یہ ہے کہ ایسے شخص کے امامِ مذہب ہونے اور نہ ہونے کا لحاظ کیا جائے گا۔ امام شافعیؒ سے یہی مروی ہے۔ اور ابنِ حبان کی رائے کے مطابق اسی مسلک پر لوگوں کا اتفاق ہے کہ "ہمارے تمام ائمہ کے نزدیک ایسے شخص کی حدیث قابلِ حجت نہیں ہے مجھے اس باب میں ان کے درمیان کسی اختلاف کا علم نہیں . . ." مگر ظاہر ہے کہ اس مسلک پر اتفاق نہیں ہے جیسا کہ ابنِ حبان نے دعویٰ کیا ہے۔ امام بخاری نے عمران بن حطان خارجی اور داود بن عبد الرحمن بن ملجم کی روایتیں قبول کی ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ خوارج کے سرکردہ راہنما تھے۔ خود امام شافعی نے ایک مقام پر فرمایا ہے کہ میں ہوا پرستوں کی شہادت قبول کر لیتا ہوں، سوائے گروہِ رافضہ کی شاخ "خطابیہ" کے، اس لیے کہ یہ لوگ اپنے موافقین کے حق میں جھوٹ کی اباحیت کے قائل ہیں۔ امام عبد القاہر بغدادی نے اپنی کتاب "الفرق بین الفِرَق" میں لکھا ہے کہ امام شافعی نے اپنے آخری زمانے میں اس رائے سے رجوع کر لیا تھا کہ میں ہوا پرستوں کی شہادت قبول کر لیتا ہوں۔

اور استثناء میں فرقۂ معتزلہ کو بھی داخل کر لیا تھا۔ اس تمام بحث پر نگاہ ڈالنے سے جو بات ظاہر ہوتی ہے وہ یہ کہ اگر کوئی اہلِ بدعت اپنی بدعت کی حمایت میں کوئی روایت بیان کرتا ہے تو یہ لوگ اس کو رد کر دیتے ہیں۔ یا اُس گروہ کے افراد کی روایات بھی قبول نہیں کرتے جو کذب کی اباحیت میں مشہور اور اپنی ہوا پرستی کے لیے وضعِ حدیث میں معروف ہو، اسی بنا پر ان لوگوں نے رافضہ کی احادیث ردّ کر دی ہیں اور بعض ان شیعوں کی احادیث قبول کر لیں جو اپنی صداقت، امانت میں مشہور تھے، اسی طرح بعض مبتدعین کی احادیث بھی قبول کر لی گئیں جو جھوٹ کی اباحیت کے قائل نہ تھے، جیسے عمران بن حطّان۔

**۴: زنادقہ، فساق اور سادہ لوح لوگ** وہ لوگ جنہیں اتنا شعور نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں، یا وہ لوگ جن میں حافظہ، عدالت اور فہم جیسی صفات بدرجۂ اتم موجود نہ ہوں، اُن کی روایت بھی رد کر دی جائیگی۔ حافظ ابن کثیر نے راوی کی صفات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ راوی کو مقبولِ عام لوگوں کا معتمد علیہ اور روایت کا امین وعن حافظ ہونا چاہیے، اور یہ صفات ایک عاقل بالغ مسلمان میں ہی پائی جا سکتی ہیں، جس کا دامن فسق کی آلودگی سے پاک اور مبتذل صفات سے محفوظ ہو، علاوہ ازیں اسے محتاط درّاک اور قوی الحافظہ ہونا چاہیے۔ اور اگر روایت بالمعنیٰ کر رہا ہو تو ضروری ہے کہ قرار واقعی صاحبِ شعور ہو۔ اگر ان شرائط میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو گی تو روایت رد کر دی جائے گی۔

وہ رواۃ جن کی روایت قبول کرنے میں توقف کیا جائے گا، ان کی اقسام حسبِ ذیل ہیں:۔

۱۔ وہ راوی جس کی جرح و تعدیل میں ائمۂ نقدِ حدیث کے درمیان اختلاف ہو۔

۲۔ وہ راوی جس سے عام طور پر غلطی سرزد ہوتی ہو اور اس کی روایت ثقہ ائمہ کی روایت کے خلاف پڑتی ہو۔

۳۔ وہ راوی جو عام طور پر نسیان کا شکار ہو جاتا ہو۔

۴۔ وہ راوی جس کی عقل و فہم عمر رسیدگی کے باعث ضعیف ہو گئی ہو۔

۵۔ وہ راوی جس کا حافظہ کمزور ہو۔

۶۔ وہ راوی جو ہر طرح کے لوگوں سے حدیثیں سن کر قبول کر لیتا اور احتیاط نہ برتتا ہو۔

**۵: حدیث کی تقسیم و تمیز کے عام اصول کی وضع و تدوین** علمائے اصول نے حدیث کی تین قسمیں کی ہیں: صحیح، حسن، ضعیف

**صحیح** اُس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند عادلؐ و ضابطؐ راویوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک متصلؐ ہو، اور اس میں شذوذ و علت نہ ہو کہ اس موضوع سے متعلق دوسرے راویوں کی روایت سے ٹکرائے، اور اس میں کوئی پوشیدہ سبب طعن بھی موجود نہ ہو جس کی وجہ سے علمائے نقدِ حدیث نے اس کو رد کر دیا ہو، لیکن اگر سلسلہ سند ٹوٹ جائے اور روایت میں صحابی کا حوالہ نہ ہو تو وہ مرسل کہلائے گی (اس کی تعریف آگے آ رہی ہے) اور محدثین کے نزدیک ناقابل حجت و استدلال ہوگی اور اس کا مرتبہ صحیح سے فروتر ہوگا۔ فقہاء کے درمیان اس کے حجت ہونے میں اختلاف ہے۔

**حَسَن** اس کی تعریف میں اختلاف ہے۔ ابن صلاح کہتے ہیں کہ "حَسَن" حدیث کی تعریف عام طور پر یہ کی جاتی ہے: "وہ حدیث جو صحیح اور ضعیف کے بین بین ہو" لیکن اس کی صحیح تعریف و تعبیر کرنے سے اس فن کے اکثر ماہرین قاصر رہے ہیں۔ اس لیے کہ یہ ایک اضافی اور نسبتی امر ہے"

اس نقد کے بعد ابن صلاح نے حسَن حدیث کی تعریف یوں بیان کی ہے: "حسن حدیث کی دو قسمیں ہیں: (۱) وہ حدیث جس کی سند واحد ہو اور اس کے کسی ایک راوی کی اہلیت اور حالات کا پوری طرح علم نہ ہو، لیکن اتنا ضرور معلوم ہو کہ وہ فاسق اور کثیر الخطا نہیں تھا اور نہ اس پر جھوٹ کا الزام ہو اور اسی مضمون کی احادیث دوسرے طُرق سے بھی مروی ہوں۔

(۲) وہ حدیث جس کا راوی صدق و امانت میں مشہور ہو، لیکن قوت حفظ اور ملکۂ اخذ میں اس کا مرتبہ صحیح حدیث کے راویوں سے فروتر ہو، مگر وہ اپنی روایت میں منفرد نہ ہو اور نہ حدیث کا متن شاذ و مجروح ہو۔

---

۱؎ عادل اصطلاح محدثین میں وہ راوی ہے جو نہ مجروح (بدنام) ہو اور نہ مستور (گمنام) ہو۔

۲؎ ضابطہ وہ راوی ہے جو متن اور سند کو اچھی طرح یاد اور مستحضر رکھتا ہو۔

۳؎ متصل سے مراد یہ ہے کہ سند کہیں سے منقطع نہ ہو۔ یعنی سلسلۂ رُواۃ کی کوئی کڑی غائب نہ ہو۔

قرنِ اوّل و ثانی کے محدثین تک "حسن حدیث" کی اصطلاح رائج نہیں تھی، یہ اصطلاح امام احمد اور بخاری کے زمانے میں وضع کی گئی اور بعد کے زمانے میں عام ہوگئی۔

**ضعیف** | یہ حدیث کی تیسری قسم ہے، اس کا اطلاق اس حدیث پر ہوتا ہے جس کے متن یا سند میں کوئی ضعف پایا جائے۔ اس کی جملہ اقسام حسب ذیل ہیں:۔

**مُرسَل**: وہ حدیث ہے جس کے سلسلۂ اسناد سے آخری کڑی یعنی صحابی مفقود ہو۔ اس حدیث کے قابلِ حجت و استدلال ہونے کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ مگر محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ ایسی حدیث ناقابلِ حجت و عمل ہے۔ امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ "مرسل حدیث ہمارے اور ماہرینِ فنِ آثار و احادیث کے نزدیک حجت نہیں"۔ شیخ حافظ ابو عمر بن صلاح نے لکھا ہے کہ "ہم نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ "مرسل حدیث ضعیف اور ناقابلِ حجت ہے تو یہ کوئی منفرد رائے نہیں ہے، بلکہ حفّاظِ حدیث اور اس فن کے ناقدین کا اس امر پر اتفاق ہے اور انہوں نے اپنی تصانیف میں اس کا بار بار ذکر بھی کیا ہے"۔ یہ انتہائی احتیاط صرف اس لیے برتی گئی کہ خدا کے دین اور اس کے رسول کی سنت میں کوئی وہم و خلل راہ نہ پائے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ تابعین کی پاک بازی اور صداقت پر محدثین کے کامل اتفاق کے باوجود وہ اس بات پر بھی متفق ہیں کہ مرسل حدیث قابلِ حجت نہیں۔ حالانکہ سلسلۂ اسناد سے صرف ایک صحابی کا حوالہ مفقود ہے۔ رہا یہ احتمال کہ غیر صحابی سے کسی تابعی نے سن کر روایت کی ہو تو یہ ایک نہایت ضعیف احتمال ہے جو کبھی واقع نہیں ہوا۔ اور اگر ایسا ہوتا تو وہ تابعی یہ بات ضرور بیان کر دیتے۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ثقہ تابعی سلسلۂ اسناد سے کسی صحابی کو حذف کر دے تو اس سے حدیث کی صحت پر کیا اور کیوں اثر پڑتا ہے؟ حالانکہ تابعین اور صحابہ سب پاکباز اور عادل تھے، اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ محض احتیاط اور تحفظ کے پیشِ نظر کیا گیا اور ایسی خصوصیات میں اس امت کے علماء غیر معروف نہیں ہیں۔

**مُنقطع**: وہ حدیث ہے جس کے سلسلۂ اسناد سے کوئی راوی چھوٹ جائے اور وہ غیر صحابی ہو

یا راوی کا ذکر آئے، مگر وہ مجہول الحال ہو۔

**مُعضَل:** وہ حدیث ہے جس کے سلسلۂ اسناد سے دو یا دو سے زائد راوی غائب ہوں، یا کسی تبع تابعی نے حدیث بیان کی ہو، مگر تابعی اور صحابی دونوں کا ذکر نہ کیا ہو۔

**شاذ:** امام شافعی نے اس کی تعریف یہ کی ہے کہ کوئی ثقہ راوی حدیث بیان کرے مگر وہ حدیث دوسری روایتوں سے ٹکراتی ہو۔ ایسی حدیث کے بارے میں توقف کیا جائے گا۔ حفاظِ حدیث کے نزدیک شاذ وہ حدیث ہے جس کی سند واحد ہو اور اس حدیث کو کسی ثقہ یا غیر ثقہ راوی نے بیان کیا ہو، اگر راوی ثقہ ہے تو اس کی اس منفرد حدیث کے بارے میں توقف کیا جائے گا اور اگر غیر ثقہ ہے تو روایت رد کر دی جائے گی" لیکن امام شافعی کی تعریف زیادہ صحیح اور مناسب معلوم ہوتی ہے، اس لیے کہ آخر الذکر تعریف کو تسلیم کر لینے کے بعد یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بہت سی ایسی احادیث کے بارے میں محض اس لیے توقف کیا جائے گا کہ ان کا راوی ثقہ ہے مگر اپنی روایت میں منفرد ہے، اور اگر یہ مان لیا جائے تو مسلم کے اس قول کی توجیہ مشکل ہو جائے گی، جس میں انہوں نے زہری سے نقل کیا ہے کہ ۹۰ ایسی حدیثیں ہیں جن کو ان کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا۔

**مُنکَر:** وہ حدیث ہے جس کا راوی اپنی روایت میں منفرد (یعنی جس کا ایک ہی راوی) ہو اور اس کے اندر عدالت اور ضبط دونوں صفات مفقود ہوں، ایسی حدیث رد کر دی جائے گی۔

**مُضطرب:** اُس حدیث کو کہتے ہیں جس کی روایات اپنے متن اور سند میں باہم مختلف ہوں لیکن صحت روایت کے لحاظ سے ایک مرتبے کی ہوں اور اس وجہ سے ایک کو دوسری پر ترجیح دینا ممکن نہ ہو، ایسی حدیث بھی ضعیف ہو گی۔ ہاں اگر کسی راوی یا اس کے نام اور اس کی نسبت میں اختلاف ہو اور راوی ثقہ ہو، تو اس صورت میں اس کو صحیح قرار دیا جائے گا۔

(باقی آئندہ)